بھٹکے ہوئے آہو کو
پھر سوئے حرم لے چل

(سلمان ندوی صاحب کے رافضیت
زدہ افکار کا اجمالی علمی محاسبہ)

تحریر: حافظ عبد الحسیب عمری مدنی حفظہ اللہ

ناشر: مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

(سلمان ندوی صاحب کے رافضیت زدہ افکار کا اجمالی علمی محاسبہ)

تحریر
حافظ عبد الحسیب عمری مدنی

DAR-UL-HUDA
UDUPI
مرکز دار الہدی، اڈپی

©جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
مؤلف : حافظ عبدالحسیب عمری مدنی
صفحات : 48
ایڈیشن : دوم 2021ء
تعداد : 2/ہزار
طباعت : الہدی پبلیکیشنز، دہلی
ناشر : مرکز دارالہدی، اڈپی، کرناٹک (انڈیا)
Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Web: www.darulhudaudupi.org

ملنے کا پتہ

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST®
#1, First Floor, Himalay Pearl, Udupi - Manipal Road
Kadiyali, Udupi, Karnataka - India, Pin: 576102
Cell: +91 9945565905

فہرست مضامین

نمبر	عناوین	صفحہ
۱-	کہی ان کہی	5
۲-	ساحل سے بھنور تک	11
۳-	نیا بیانیہ پرانے حقائق	15
	❖ پہلی حقیقت	15
	❖ دوسری حقیقت	16
	❖ تیسری حقیقت	16
	❖ چوتھی حقیقت	19
	❖ پانچویں حقیقت	21
	❖ چھٹی حقیقت	25
۴-	اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ	28
	❖ پہلی بنیاد: بعض تاریخی روایات کا حوالہ	28
	❖ دوسری بنیاد: آل بیت سے محبت کا زعم	28
	❖ تیسری بنیاد: فطری صلاحیتیں	34
	❖ چوتھی بنیاد: سعودی عرب کی مخالفت	36

❖ پانچویں بنیاد: أبو ہریرہ فقیہ نہیں ہیں 37
❖ چھٹی بنیاد: عہدِ صحابہ میں منافقین ومرتدین 38
۵- عرضِ مدعا 40
❖ سلمان صاحب کی توبہ 42
❖ ایک پیغام سلمان صاحب کے معتقدین کے نام 44
❖ اہل اسلام کے نام 45
❖ ملت اسلامیہ ہند اور سلمان ندوی صاحب 46

کہی ان کہی

۳۱؍اگست ۲۰۲۰ء کی تاریخ تھی، محرم ۱۴۴۲ھ کا پہلا عشرہ تھا، شام ۷ ؍بجے سلمان ندوی صاحب نے اپنے فیس بک اور یوٹیوب چینل پر ''منافق صحابہ کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے'' کے عنوان سے خطاب کیا، جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کئی ایک، بالخصوص حضرت معاویہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں بہت کچھ اناپ شناپ کہا۔ یہ دراصل حضرت والا کے تسلسل کے ساتھ جاری آن لائن پروگرام کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

پچھلے تقریباً دو تین سال سے سلمان ندوی صاحب نے برملا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کے بارے میں-جن میں سے کئی دیگر صحابہ بھی ہیں- گستاخی کا رویہ اپنایا ہوا ہے۔ واقفِ کار لوگ تو بتاتے ہیں کہ اس سے قبل بھی سالہا سال سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں دورانِ تدریس خلافت وملوکیت کے موضوع سے متعلق لگ بھگ وہی سب باتیں طلبہ کے درمیان بھی کہتے آئے ہیں، مگر پہلے انداز اس قدر جارحانہ نہ تھا جس قدر پچھلے دو تین سالوں سے عوامی پروگرام اور پلیٹ فارم پر اپنایا ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت ندوہ میں تدریس کے دوران جو انداز تھا وہ بھی سنیت کی نسبت رکھنے والے کسی بھی مصنف یا مقرر کے لیے زیب دینے والا انداز نہیں تھا، جو بجائے خود اہلِ سنت کے متفقہ عقیدہ ومنہج کے خلاف تھا مگر پھر بھی رافضیت کے زہریلے لب ولہجہ کے مقابلے میں نسبتاً ہلکا تھا، تاہم پچھلے تین سال سے جس انداز بیان کو اپنایا ہے اور جن افکار کو پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں وہ خالص رافضی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

اس سے قبل کٹولی میں واقع اپنے جامعہ سید احمد شہید میں بتاریخ ۷ ؍محرم ۱۴۴۱ھ مطابق

۷ ستمبر ۲۰۱۹ء کو ایک خطاب بعنوان (خلافت راشدہ یا ملوکیت) میں بھی اسی طرز بیان کو اپنایا تھا جس میں کاتبِ وحی اور دربارِ رسالت مآب سے ایمان وشرفِ صحبت ہی کی نہیں بلکہ امانت اور اعتماد کے سند یافتہ جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وغیرہ پر ہمز ولمز سے آگے بڑھ کر کھلے قسم کا تبرا کیا تھا۔

اس سے قبل صحابی کی تعریف اور عدالتِ صحابہ کے سلسلے میں بھی جمہورِ امت کے موقف سے انحراف کرتے ہوئے جس طرح صحابی کی اصطلاح کو ایک خاص اور محدود مفہوم دینے اور عدالتِ صحابہ کے اجتماعی قاعدے کو انفرادی حیثیت دینے کی کوشش کی تھی، تاکہ صحابہ کے سلسلے میں ان کی جدتِ فکر کو وجہِ جواز یا علمی اعتبار مل جائے وہ بھی اہلِ علم کی نظر میں ایک شاذ موقف تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق سلمان ندوی صاحب کے تسلسل کے ساتھ ہونے والے ان خطابات' بالخصوص عشرۂ محرم میں رافضیوں کی طرح صحابہ پر تبرا کے لیے سالانہ مجلسوں کا قیام اور دورانِ سال بھی وقت بے وقت اس موضوع کو اچھالنے کی عادت کی وجہ سے ایک طرف اہل سنت میں بے چینی عام ہوئی تو دوسری طرف یہ بات بھی دیکھی گئی کہ ان کے مریدین ومعتقدین میں سے کئی ایک نے ان خطابات کے اثرات قبول کیے اور خود بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں وہی رافضیت زدہ تبرا والی بولی بولنے لگے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابوعثمان نہدی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے۔ دوران خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

إن أخوف ما أخاف على هذه الأمة كل منافق عليم اللسان.

''مجھے اس امت (امت محمدیہ) کے حق میں سب سے زیادہ ڈر اس منافق سے ہے جس کی زبان عالمانہ ہو''۔ (مسند أحمد: ۳۱۰)

مذکورہ حدیث کے مطابق جہالت جب علم کی بولی بولنے لگے یا عالم کی زبان علمی پیرائے

میں جہالت کی بات کرنے لگے تو یہ امت کے لیے بہت بڑا فتنہ ہوتا ہے۔ سلمان ندوی صاحب کے معاملے میں بھی یہی ہوا۔ آیات واحادیث یا تاریخی روایات پڑھ پڑھ کر ان کا غیر عالمانہ اور غیر منہجی افکار کو پھیلانا امت کے لیے ایک بڑا فتنہ بن گیا ہے۔ نتیجہ میں ان کے معتقدین کی ایک بڑی تعداد اس فتنہ کا شکار ہوئی جس کا ازالہ اور حق کی وضاحت اہل علم کی ذمہ داری ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اہل علم میں سے متعدد حضرات نے انفرادی واجتماعی' تقریری وتحریری ہر دو طرح سے اس کے ازالہ کی حتی المقدور کوشش کی۔

اسی سلسلہ میں راقم نے بھی ایک مجمل احتسابی تحریر لکھی تھی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تعمیر، تخریب سے زیادہ وقت، محنت اور تفصیل چاہتی ہے۔ لہٰذا ہونا تو یہی تھا کہ تفصیلی احتساب ہوتا جس میں سلمان ندوی صاحب کے ہر دعوے کا مفصل تعاقب کیا جاتا، تاہم بعض وجوہات کی بنا پر اجمالی احتساب ہی کو مناسب اور کافی سمجھا گیا۔ ان وجوہات میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱) ان مسائل کو عوام الناس اور مبتدی درجہ کے طلبہ کے سامنے بہت تفصیل سے بیان کرنا اس سلفی حکمت کے خلاف ہے جس کی تعلیم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما أنت بمحدث قوما لاتبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة.

''کسی بھی طبقہ کو ایسی باتیں سناؤ گے جو ان کی سمجھ بوجھ کی سطح سے اونچی ہوں تو ان میں سے بعض لوگوں کے لیے اکثر وہ باتیں فتنہ اور آزمائش کا سبب بن جائیں گی''۔ (مقدمۃ صحیح مسلم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

حدثوا الناس بما يعرفون أتحبون أن يكذب الله ورسوله.

''لوگوں کو وہ باتیں سنایا کرو جو ان کے نزدیک معروف ہوں (ان کے لیے قابل

ہضم ہوں) کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول جھٹلا یا جائے ؟ (البخاری: ۱۲۷)
مذکورہ بالا سلفی آثار کا مفہوم ہی یہ ہے کہ ہر موضوع ہر شخص کے لیے قابل ہضم نہیں ہوتا۔ خاص طور پر آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقدس اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام میں توازن برقرار رکھنا اور مشاجراتِ صحابہ کے سلسلہ میں وارد تاریخی روایتوں اور احادیث میں مذکور واقعات کو صحیح محمل پر محمول کرنا ایک عام آدمی یا مبتدی درجہ کے طالب علم کے بس کی بات نہیں۔ اپنی علمی و منہجی ناپختگی کی وجہ سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ نسبت کے تقدس کو یا صحبت کے شرف کو داغدار کردے، یا ممکن ہے دونوں سے بدظن ہو جائے۔
یہ محض ایک اندیشہ نہیں۔ سلمان ندوی صاحب کے اس سلسلے کے ایک خطاب کو سن کر یوٹیوب کے کمنٹ سیکشن میں ایک شخص زبیر پٹیل نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھنے کے لیے بھی دل گردہ چاہیے۔ وہ لکھتا ہے:
''مولانا! سچی بات یہ ہے کہ میں شیعہ حضرات کی تقریر سنتا رہتا ہوں۔ حضرات صحابہ کے بارے میں میرا اعتماد ویسے بھی متزلزل ہو گیا تھا، مگر آپ جیسے اہل سنت کے اتنے بڑے عالم کی بات کو سن کر تو اب یقین ہی ہو گیا کہ شیعہ جو کچھ کہتے ہیں بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میرا اب صحابہ پر بالکل اعتماد نہیں رہا۔ خواہ مخواہ ہمارے دلوں میں ان کی محبت بٹھا دی گئی ہے، اور ان خائن و منافق صحابہ کے واسطہ سے جو دین اب تک پہنچا ہے اس پر بھی اب یقین نہیں رہا، اور ہمارے دور میں جو بات کہی جاتی ہے کہ اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے ہمارے مولوی ملا نے تاویلات کرتے رہتے ہیں کہ نہیں، وہ تو امن و آشتی کا مذہب ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سب واہیات ہیں۔ خود قرآن اور پیغمبر کا انداز ہی اتنا گھٹیا ہے تو اس کے ماننے والوں سے کیا امید کی جاسکتی ہے۔ سچ مولانا مجھے اب ایسے اسلام سے شرم آتی ہے۔ اب آپ گواہ رہیں، میں اس سے دست برداری کا اعلان کرتا ہوں۔''

یہ محض ایک تبصرہ نہیں' سلمان ندوی صاحب جو کھیتی کر رہے ہیں اسی کا ثمرہ ہے۔ اللہ جانے اس کھیتی نے کس کس کے ایمان ویقین پر شبخون مارا ہے اور سلمان صاحب کی یہ کاشت اور پرداخت اور کس کس کی متاع ایمان لوٹ لے گئی۔

{رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّاب}

''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کردے' اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت سے مالا مال رکھ۔ یقینا تو ہی خوب دینے والا ہے''۔ (آل عمران:۸)

۲) دوسری طرف یہ بھی ایک اہم وجہ ہے کہ سلمان ندوی صاحب خود آپ اپنا جواب بنتے جارہے ہیں۔ آئے دن جس طرح وہ ایک نئے مقام پر نظر آرہے ہیں وہ خود ان کی بے ثباتی کی دلیل ہے' وہ فکری ومنہجی طور پر خود اپنی موت آپ مر رہے ہیں اور اس قانون الٰہی کی عملی تفسیر بنتے نظر آرہے ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا.

''جو شخص ہدایت کے اس پر واضح ہوجانے کے بعد بھی رسول سے اختلاف کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے تو ہم اسے اسی رخ پر چلا دیتے ہیں جس رخ پر وہ چلتا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے''۔ (النساء:۱۱۵)

اور جب کوئی اس قانون الٰہی کا شکار ہوجائے تو پھر اس پر زیادہ محنت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ایک عربی مثل کے مطابق'' هذا الميت لايستحق هذا العزاء''۔

۳) ایک تیسری وجہ یا تیسرا پہلو یہ بھی تھا کہ بطور جواب کے اس موضوع کو طول دینا دراصل عوام یا طلبہ کو ان مسائل میں مزید الجھائے رکھنا ہے۔ اس طرح بالواسطہ طور پر یہ ان

کے مقصد ہی کی تکمیل قرار پاتی۔

۴) اس کی چوتھی وجہ یہ بھی تھی کہ سلمان ندوی صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ دراصل چبائے ہوئے رافضی لقمے ہیں، جن کا جواب متقدم اہل علم نے اور معاصر علماء نے پہلے ہی دے رکھا ہے۔ جن طلبہ کو واقعی جستجو ہوگی وہ ان علمی مراجع ومصادر اور مستند ومعتدل کتابوں کی طرف رجوع کر کے اپنی علمی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ''منهاج السنة النبوية'' حافظ صلاح الدین یوسف صاحب رحمہ اللہ کی ''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت'' اور مفتی تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ کی ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' جیسی قدیم وجدید کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

یہ اور اس جیسی وجوہات کے پیش نظر اجمالی محاسبہ پر اکتفاء کر لیا گیا اس امید کے ساتھ کہ حق کے متلاشی کے لیے یہ رہنما خطوط کافی وشافی ہوں گے۔ جو تفصیل چاہتا ہے اس کے لیے متقدم اہل علم کی مفصل کتابیں کافی ہوں گی۔

یہ تحریر دراصل دو قسطوں میں مضمون کی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ پھر اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر بعض اہل علم کے توجہ دلانے پر اسے باقاعدہ ایک کتابچہ کی شکل دے کر اس مقدمہ اور ذیلی عناوین کے اضافے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ دعا ہے کہ اس مختصر رسالہ کو اللہ عزوجل محض اپنے فضل وکرم سے شرف قبولیت بخشے اور اسے نافعِ خلائق بنا دے۔ آمین

ساحل سے بھنور تک

''منافق، صحابی نہیں ہے اور جن کو صحابی شمار کیا گیا وہ منافقین میں سے نہیں ہیں''

یہ ایسی بدیہی حقیقت ہے جو ایمان والوں میں سے دیہات کی بوڑھیا بھی سمجھتی ہے اور وقت کا علامہ بھی جس نے صحابہ کی بابت آیات، احادیث اور تاریخی روایات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہو۔

بوڑھیا سے علامہ تک کا یہ سفر دراصل فطری سادگی سے تحقیق کے کمال تک کا سفر ہے۔ اور اس مسافت کو طے کرنے والا جس بات کو ابتدا میں محض ایک شرعی حکم کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے تحقیق کے بعد اسی حقیقت کو ایک تاریخی و علمی سچائی کے طور پر قبول کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ اس راہ پر چلے تو حق کے لیے تجرد، تحقیق، انصاف، اور طبیعت کی عاجزی اس محقق کے اندر بدرجۂ اُتم موجود ہو۔ ساتھ ہی تلاشِ حق کا اور امت کے لیے خیر خواہی کا جذبہ ساتھ ہو، لہٰذا ہدایت کے اس راستہ پر چلنے والے کے لیے سنگ میل کے طور پر قدم بہ قدم علم و تقوی کے پیکر سلف صالحین کے اقوال رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اور ان کے فہم و فراست کے روشن چراغ راستے کی حدود کو اجالا رکھے ہوئے ہیں اور ہر راہی کو یہ بتا رہے ہیں کہ اس راہ پر چلنے کے آداب کیا ہیں۔ وہ راہ جس کے حدود و آداب نبی ﷺ کے سکھائے اور بتائے ہوئے ہیں اور جس کے بارے میں زبان رسالت مآب گویا ہے:

تركتكم على المحجة البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها إلا هالك.

''میں نے تمہیں روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح

روشن ہے۔اس راہ سے وہی ہٹے گا جو ہلاک ہونے والا ہے''۔(مسند أحمد وابن ماجۃ)

جب آدمی اس روشن شاہراہ کو چھوڑ کر ایران وتوران سے ہوکر گزرنا چاہے جہاں بھول بھلیوں میں بھٹکنے والے اس بھٹکنے کو بھی اپنی تاریخی دریافت اور علمی یافت سمجھتے ہیں تو پھر ایسا راہی خود کے لیے اور دوسروں کے لیے ایک نئی راہ تو دریافت کرلیتا ہے مگر شاہراہِ ہدایت پر ان متلاشیانِ حق کا بامقصد سفر ادھورا رہ جاتا ہے' پھر وہ کسی اور ہی راستے کے مسافر ہوتے ہیں اور کوئی دوسرا ٹھکانا ان کی منزل بنتا ہے۔

سلمان ندوی صاحب کی شخصیت اس وقت ملک کی دینی شخصیات میں سب سے زیادہ متنازعہ بن گئی ہے۔ان کے چاہنے والوں کے پاس ان کو چاہنے کے متعدد اسباب ہیں تو ان کو ناپسند کرنے والے اور ان سے اختلاف رکھنے والوں کے پاس بھی متعدد اور معقول وجوہات ہیں' اور رہی سہی کمی وہ خود آئے دن نت نئے اسباب پیدا کرکے پوری کرتے جارہے ہیں۔ حالیہ دنوں میں شاید اپنی افتادِ طبع سے مغلوب تھے یا اپنے متبعین کے حلقہ کو وسیع کرنے کا جذبہ تھا یا اپنے معتقدین کی اندھ بھکتی کا یقین کہ وہ ''منافق صحابہ'' کے عنوان سے اپنی فکری جدت اور عقدی بدعت کا اعلان کرنے میں سرگرم نظر آرہے ہیں اور اس طرح حرم سے دَیر کی اور مکہ سے طہران کی اور عرب سے فارس کی جانب رخ کیا ہے۔

سلمان ندوی صاحب دَیر وحرم دونوں کے راستوں سے بھی بخوبی واقف ہیں اور ان کے تقاضوں سے بھی، مگر جب خو ہی یہ ٹھہری کہ

ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
اک طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

تو پھر وہ سلمان ندوی ہی کیا جو ہنگامہ کھڑا کیے بنا مان جائے؟ جن کی روش ہی یہ ہے:

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

انسانی لہو منہ لگ جائے تو پھر درندہ بھی صرف درندہ نہیں رہ جاتا وہ آدم خور بن جاتا ہے پھر اس کا وجود جنگل میں بھی نا قابل برداشت ہوجاتا ہے۔ سلمان صاحب کے منہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خون لگ گیا ہے اور وہ ''صحابہ خور'' بن کر خوار ہونے کی راہ پر چل نکلے ہیں۔ اگر توبہ کی توفیق نہ ملے تو بہت جلد زبان رسالت مآب سے نکلی یہ پھٹکار بھی ان کا مقدر بن سکتی ہے:

من سب أصحابي فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين

''جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہے اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے''۔ (السنة لابن أبي عاصم :۲: ۴۸۳ وحسنه الألباني)

اللہ سب کو ہدایت دے۔

سلمان ندوی صاحب نے گزشتہ چند سالوں سے ندوہ اور سعودی عرب کے خلاف جو محاذ کھول رکھا ہے اس میں اس حد تک غلو کا شکار ہو چکے ہیں کہ اب اس محاذ سے اپنا اور اپنے معتقدین کا بہت کچھ داؤ پر لگا دیا ہے' ان کا یہ ''سیاسی'' سفر کب ان کے ''عقیدہ'' کا معاملہ بن گیا شاید انہیں بھی اس کا احساس نہیں ہے۔ سلمان صاحب کے ندوہ یا سعودی عرب مخالف موقف کی تائید وتردید سے صرف نظر یہ بالکل ہی الگ دنیا ہے جس کو وہ آباد کرنے میں لگے ہیں۔ اس نئے سفر کی ابتدا صحابہ کی تعریف کے سلسلے میں اپنی شاذ آراء سے کی' پھر بنوامیہ کے رمز کی آڑ لے کر بعض صحابہ پر ہمز ولمز کی طرف منتقل ہوئے۔ پھر خال المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''جنابِ معاویہ'' کہنے تک آئے۔ پھر ان کے اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے باغی گروہ کے استعارہ سے کام چلایا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کو صراحتاً باغی اور دشمن آل بیت قرار دیا۔ پھر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ظالم' باغی' طاغی' مجرم اور حکومت کے لالچی جیسے قبیح القاب استعمال کیے۔ پھر آگے بڑھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا درباری مولوی' اور کتمانِ علم کے عظیم جرم کا مجرم گردانا، پھر روافض کی طرح صرف بعض ان صحابہ کا نام لے کر- جو روافض کے

حلقے میں محبانِ آل بیت سمجھے جاتے ہیں- اشاروں کنایوں میں بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بزعمِ خویش آل بیت کے مدمقابل گروہ میں شامل کیا اور خود کو اور اپنے متبعین کو ان بعض صحابہ کی روایت کا امین قرار دیا جو ان کے مطابق محبانِ آلِ بیت تھے اور پھر بالآخر رافضیت کا یہ سفر اپنی منزل کو یوں پہنچا کہ خود کو رافضی عقیدہ کے مطابق ''مہدیٔ منتظر'' کے کردار کا حامل اور ان کے لیے میدان ہموار کرنے والا قرار دیا اور اس ''شقاوت'' پر سرشاری اور رب کے حضور شکر گزاری کرنے لگے۔

سلمان ندوی صاحب کی اس سلسلے میں آئی تحریروں کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کے سلسلے میں پہلے پہل اہل سنت کے معروف موقف (دونوں فریق کو مجتہد مان کر خاموشی اختیار کر لی جائے) کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہم کی تائید میں کھڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ''ننانوے'' فیصد بتلا کر خود کو بزعم خویش ان ''ننانوے'' فیصد صحابہ کا ترجمان قرار دیا۔ یہ طریقہ اہل سنت کے متفقہ موقف کے برخلاف تھا جس پر خود ان کے قریبی جانکاروں میں سے بعض اہل علم نے گرفت کی تو یہ مسئلہ پھر ان کی اَنا کا مسئلہ بن گیا اور اپنے اس موقف کو جو کہ اہل سنت کے معروف موقف کے خلاف تھا برحق ثابت کرنے میں اس قدر آگے نکل گئے کہ شرفِ صحبت کے تقدس کا بھی لحاظ نہ رکھا، بلکہ آگے بڑھ کر کچھ ایسا موقف اختیار کر لیا جیسے ان معاصر جانکاروں کے رد کا بدلہ خود حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے رہے ہوں۔ اَستغفر اللہ۔

نیا بیانیہ پرانے حقائق

سلمان ندوی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت، تحقیق یا تاریخی حقائق کے نام پر اب تک جو کچھ پیش کیا ہے اس کا خلاصہ اور اس کی حقیقت درج ذیل ہے:

پہلی حقیقت:

آل بیت رسول سے عقیدت اور محبت کے نام پر پہلے پہل سارے بنو امیہ کو ناصبی قرار دینا مگر بتدریج بنو امیہ کے استعارے سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناموں کی صراحت کے ساتھ نشانہ بنانا اور پھر آل بیت سے محبت کے لیے ان بعض صحابہ سے براءت کو لازمی قرار دینا۔ یہ طریقہ اہل سنت کا نہیں ہے۔ اس روش کا انجام پہلے سے طے ہے اور وہ ہے معدودے چند صحابہ کرام کے علاوہ تمام پر تبرا کرنا جو کہ اس رافضی اصول کا مظہر ہے (لا یتم الولاء إلا بالبراء) یعنی اہل بیت سے عقیدت و محبت اور تعلق کی لازمی شرط یہ ہے کہ ان کے مزعومہ مخالفین یعنی بعض یا کل صحابہ سے براءت کا اظہار کیا جائے۔ اہل سنت کی نظر میں یہ آغاز ہی غلط ہے، یہ طرز فکر ہی غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اہل سنت دشمنانِ آل بیت نواصب سے براءت کا اظہار کرتے ہیں لیکن یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک بھی صحابی ناصبی تو کجا، آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی سے آل بیت رسول کی حیثیت سے کسی قسم کی رنجش یا کدورت کو دل میں رکھنے والے نہیں تھے اور ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اہل سنت کے نزدیک بنو امیہ کے تمام افراد کو نواصب قرار دینا یا بنو امیہ کو نواصب کا مترادف قرار دینا بھی ظلم اور خلاف واقعہ ہے بلکہ ایک تاریخی جھوٹ ہے، یہ روافض کی ہمنوائی ہے۔

۲۔دوسری حقیقت:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور ابتدائی دور کے مسلمانوں کو آلِ بیت اور اصحاب رسول کے نام سے دو فریق شمار کرنا اور پھر آل بیت اور بعض صحابہ کرام کو دوستی اور دشمنی کے اصول پر ایک دوسرے کا مدمقابل قرار دینا، یہ طریقہ بھی اہل سنت کا نہیں ہے۔اہل سنت کے تمام متقدم اہل علم کے نزدیک اس قسم کی تقسیم بے بنیاد ہے۔اہل سنت کی نظر میں تاریخ کی یہ اہم سچائی ہے کہ آلِ بیت واصحابِ رسول باہم شیر وشکر تھے، ایک دوسرے کے قدردان تھے'ایک دوسرے سے علم اور دین لینے دینے والے'ایک دوسرے کے گھر بیٹی لینے دینے کا تعلق برقرار رکھنے والے اور ایک دوسرے کے خاندان کے محترم ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھنے والے تھے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل بیت کے خصوصی فضائل کے باوجود''اہل سنت صحابہ واہل بیت'' کے نام پر ایسی کسی تقسیم کے قائل نہ تھے جس میں ایک، دوسرے کا فریق اور مدمقابل ہو۔جس طرح خود صحابہ کرام کے درمیان باہم بعض فقہی مسائل میں اختلاف ہوا اسی طرح بعض اہل بیت اور بعض صحابہ کرام کے درمیان بھی ہوا' لیکن ان کے فقہی یا سیاسی اختلاف کی نوعیت نہ تو اہل بیت بمقابلہ صحابہ کی تھی نہ اس اختلاف کو وہ خود کفر وایمان یا ہدایت وگمراہی کا معیار اور پیمانہ سمجھتے تھے۔ جنگ جمل وصفین سمیت ان کے آپسی اختلاف کو صحابہ بمقابلہ آل بیت رسول کا بیانیہ دینا خالص شیعی ورافضی بیانیہ ہے، اہل سنت کے معتبر اہل علم میں سے کسی کا یہ بیانیہ نہیں ہے۔

۳۔تیسری حقیقت:

جنگ جمل وصفین میں اختلاف کی بنیاد ایک سیاسی مسئلہ میں اختلاف رائے پر تھی اور وہ مسئلہ قاتلینِ عثمان سے بدلہ لینے کا معاملہ تھا۔ ان جنگوں میں طرفین کی جانب سے شرکت کرنے والے نمایاں صحابہ یا تو زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنت کی بشارت پائے ہوئے

تھے یا ہدایت یافتہ ہونے کی۔ لہٰذا اس اختلاف کو بس ایک اختلاف اور ایک اجتہادی مسئلہ سمجھا گیا' مگر خود طرفین نے اس سیاسی اختلاف کو امامت اور خلافت کے مسئلہ میں اختلاف سے تعبیر نہیں کیا' نہ ہی خلافت بمقابلہ ملوکیت کا کوئی تصور ان جنگوں میں کارفرما تھا' بنا بریں اہل سنت کے معتبر علماء کے نزدیک یہ معاملہ حکومت و اقتدار کے حصول کے لیے جنگ کا نہیں تھا، نہ آل بیت یا ان میں سے کسی ایک کی امامت کے خلاف بغاوت کا مسئلہ تھا' اور نہ ہی اہل سنت نے ان جنگوں کے مسئلہ کو حب آل بیت کا معیار قرار دیا، جیسا کہ سلمان صاحب باور کرانا چاہتے ہیں۔

''سنن سعید بن منصور'' میں یہ روایت مروی ہے کہ نعیم بن أبو ہند نے اپنے چچا سے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو ہمارے لشکر میں اذان ہوئی اور فریق مقابل کے لشکر میں بھی اذان ہوئی۔ ہم نے اقامت کہی، انہوں نے بھی اقامت کہی۔ ہم نے نماز ادا کی، فریق مقابل کے لوگوں نے بھی نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ ہمارے اور فریق مقابل کے مقتولین کی لاشیں پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھ لیا کہ ہمارے مقتولین اور ان کے (فریق مقابل) کے مقتولین کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت علی نے جواب میں ارشاد فرمایا: ہمارے اور ان کے مقتولین میں سے جو بھی اللہ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کے حصول کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے مارا گیا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا (سنن سعید بن منصور: باب جامع الشھادۃ: ۲: ۳۹۷)

ایک اور روایت ''مصنف ابن أبی شیبہ'' میں بھی ہے، جس میں یزید بن الاصم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے مقتولین کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

قتلانا وقتلاهم في الجنة ويصير الأمر إلي وإلى معاوية.

''ہمارے اور ان کے مقتولین جنتی ہیں۔ معاملہ میرے اور معاویہ کی طرف ہے۔ یعنی ذمہ داری میری اور معاویہ کی ہے جس کا فیصلہ اللہ تعالی فرمائے گا''۔

(مصنف ابن أبی شیبۃ: ۳۷۸۸۰)

جس معاملہ کو خود علی رضی اللہ عنہ ان سے یا آل بیت سے دشمنی کا معاملہ نہیں قرار دے رہے ہیں، اس جنگ میں ان کے مقابل شریک ہو کر مارے جانے کے باوجود ایسے لوگوں کو جنتی قرار دے رہے ہیں، اسے آل بیت و معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھی صحابہ کرام وغیرہ کے مابین دوستی اور دشمنی کا معاملہ قرار دینا اور پھر بعد والوں کے لیے آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا پیمانہ ہی یہ بنا دینا کہ اس جنگ کے فریق مقابل سے براءت کا اعلان کیا جائے، اور اس سے بغض اور دشمنی کی دعوت دینا یہ خالص رافضی فکر کی ترویج ہے۔

مزید یہ بھی کہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر ان جنگوں کو اور ان میں شریک افراد کے باہم اختلاف اور ردوقدح کو اصل دین کے درجے میں رکھنا اور اسے ''مولی علی کی امامت'' کے نام پر ''اصل دین'' کے درجہ میں گرداننا دراصل رافضی عقیدۂ امامت کی کرشمہ سازی ہے۔ سلمان ندوی صاحب کے بیانیہ کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بغض میں وہ اس قدر آگے جا چکے ہیں کہ اب تو لگتا ہے جیسے انہوں نے کہیں نہ کہیں اسی رافضی ذہن کو اپنایا ہوا ہے۔

پھر جب آل بیت رسول کی محبت کے نام پر جنگِ صفین کی رافضی تعبیر وتفسیر کو قبول کر لیا اور صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بالمقابل فریق کے شرکاء پر تبرا کے مرحلہ تک پہنچ گئے تو پھر دو قدم آگے بڑھ کر اب خلافت راشدہ کے سلسلے میں بھی ڈھکے چھپے ہی نہیں بلکہ بعض تحریروں میں صراحتاً ''امامتِ علی'' کی وکالت کرنے والا موقف اپنایا ہے۔ اب تو یوں لگتا ہے دل کی بات زبان پر آ آ کے رک رک جاتی ہے، جیسے دل چاہتا ہو کہ کہہ دو! مگر دماغ سمجھاتا ہو کہ ذرا اور سنبھل کر بتدریج آگے بڑھو۔

۴۔ چوتھی حقیقت:

یہ صریح مغالطہ انگیزی ہے کہ ''حب آل بیت'' کے نام پر سلمان صاحب آج جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ان کی اپنی نئی تحقیق یا دریافت ہے، جو خالص علمی اور تاریخی ہے، جبکہ ان کے ان افکار' حوالہ جات سے لیکر پیش کردہ مزاعم ونتائج تک سب کچھ چبائے ہوئے رافضی نوالے ہیں۔اس میں تحقیق اور جدت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

اگر مان بھی لیں کہ سلمان صاحب نے یہ باتیں کسی رافضی سے نہیں لی ہیں' یہ ان کے اپنے ذہن کی اُپج ہے تب بھی فکر ونظر کی دنیا کے شناور کی حیثیت سے یہ بات ان کے علم میں ہونی چاہیے کہ جو بات ایک خیال کے طور پر آپ کے ذہن میں آئی ہے وہ آپ سے پہلے کسی اور رافضی کے ذہن میں آئی بھی اور اس نے اس کا اظہار کیا بھی اور اہل علم نے اس کا مدلل علمی جواب دیا بھی۔ یہ اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ جب کبھی کچھ نئے خیالات اور انکشافات خود ان پر ہوں تو سب سے پہلے وہ متقدم اہل علم کی کتابوں کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ اس راہ سے وہ ہم سے پہلے گزر چکے ہیں نیز انہوں نے ان سارے مسائل اور حوالوں کے سلسلے میں کیا موقف اپنایا ہے؟ اس کے برعکس ہر نئے خیال کو جدت فکر کی سند حاصل کرنے کی ہوڑ میں عام کرنے لگ جائیں یا خود کو مجتہد مطلق سمجھ بیٹھیں' اور اپنے بارے میں اس زعم باطل کا شکار ہوجائیں کہ مجھے براہ راست قرآن وسنت کا ادراک ہے اور متقدمین اہل علم کے فہم وفراست سے بھرپور علمی ذخیرے کی طرف رجوع سے اعراض کریں تو یہ علمی تکبر ہے جو ابلیسیت کی راہ پر چلاتا ہے۔

سلمان صاحب نے متقدمین اہل علم کی طرف رجوع کیا ہوتا تو نہ صرف یہ کہ ان افکار و نظریات کی قدامت واضح ہوجاتی بلکہ ان کی اصل اور ان کی حقیقت بھی منکشف ہوجاتی اور ساتھ ہی اس نورِ بصیرت کا ایک جز انہیں بھی حاصل ہوجاتا جو اللہ کی توفیق سے ان بزرگ علماء

کو عطیۂ الٰہی کے طور پر ملا تھا۔

اس حقیقت کا ایک اور پہلو بھی ہے جسے سلمان ندوی صاحب بار بار دہرا بھی رہے ہیں، اور وہ پہلو یہ ہے کہ سلمان صاحب کہتے ہیں: ''میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی' قرآن وحدیث کے نصوص اور تاریخی روایات کے حوالوں ہی کی روشنی میں بات کر رہا ہوں۔'' اس بات کو وہ اپنے حق میں دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں' گویا وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں جب اس کے لیے قرآن وحدیث کے حوالے دے رہا ہوں تو پھر یہی حق کیوں نہیں ہے!

اس دعوی کی حقیقت یہ ہے کہ سلمان صاحب نے بظاہر اپنے افکار کے لیے بعض آیات یا احادیث کا سہارا ضرور لیا ہے' تاہم ان آیات واحادیث اور تاریخی حوالوں کے سلسلے میں سلف صالحین کے موقف اور اہل سنت کے طرز فہم سے روگردانی کرتے ہوئے خالص شیعی یا صحابہ مخالف ذہن کی تفسیر وتعبیر کو اپنایا ہے۔

آج اہل بدعت میں سے اکثر یہی تو کرتے ہیں۔ اپنی بدعات کے لیے قرآن وسنت کے حوالے دیتے ہیں۔ اگر صرف یہ دیکھ کر کہ وہ بھی قرآن وسنت کا حوالہ دیتے ہیں انھیں درست مان لیا جائے تو پھر شاید ہر بدعت سنت قرار پائے گی اور دین متضاد باتوں کا مجموعہ بن کر رہ جائے گا لیکن جب ان آیات واحادیث کے معنی ومفہوم کو سلف صالحین کے موقف کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کے دلیل کی کمزوری اور استدلال کا جھول کھل کر سامنے آتا ہے۔

اس طرح سلمان صاحب کا یہ دعوی بجا ہے کہ ''وہ جو کہہ رہے ہیں وہ ان کا اپنا نہیں ہے'' مگر جس طرح وہ دعوی کر رہے ہیں کہ وہ قرآن وسنت ہی کی کہہ رہے ہیں ان کا یہ دعوی درست نہیں ہے، کیوں کہ حقیقت میں قرآن وسنت کی آڑ میں وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ شیعی نظریات ہیں جن کا قرآن وسنت کی حقیقی اور صحیح تعلیمات سے واسطہ نہیں ہے۔ اس معاملہ میں صورت حال وہی ہے جسے شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

۵۔ پانچویں حقیقت:

مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں سکوت اختیار کرنے اور اپنے زبان وقلم ہی کو نہیں دل ودماغ کو بھی قابو میں رکھنے کو اہل سنت نے ایک مجمع علیہ اصول قرار دیا ہے۔ یہ خالص علمی وشرعی دلائل پر مبنی اصول ہے۔

عدل وانصاف کے پیکر اور صحابہ وآل بیت رضی اللہ عنہم کے یکساں طور پر قدردان حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ فرمان کسی بھی مومن اور مسلمان کے دین وایمان کی سلامتی کی ضمانت ہے، مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

تلك دماء طهر الله يدي منهافلا أحب أن أخضب لساني فيها .

''یہ وہ خون ہے جس سے اللہ نے میرے ہاتھوں کو پاک رکھا تو میں کیوں اب اپنی زبان کو اس سے آلودہ کروں''؟ (حلیۃ الأولیاء:۹:۱۱۴)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا بھی فرمان ہے، ابواللیث فرماتے ہیں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے صحابہ کے مابین ہوئی جنگوں کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا:

تلك دماء طهر الله أيدينا منهاأفنلطخ ألسنتنا.

''یہ وہ خون ہے جس سے اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو کیا اب ہم اپنی زبانوں کو آلودہ کرلیں؟''

مذکورہ دو قول نمونہ ہیں کہ علم وحکمت کے پیکر اور دینی بصیرت کے حامل ہمارے اسلاف نے خود ان مسائل کو کس نظر سے دیکھا ہے، جو حضرت علی کی شان اور حضرت معاویہ، عائشہ، طلحہ اور زبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم أجمعین ہر ایک کے مقام اور حقوق سے آگاہ ہیں اور دوسری طرف

اس مشاجراتِ صحابہ والی بحث کو چھیڑنے کے انجام سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں سکوت اختیار کرنے کے پیش نظر کئی مصلحتیں ہیں جن کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات سے زیادہ دین سے ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے ادوار میں آنے والے مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ سے ہے' تاہم سلمان صاحب نے مشاجراتِ صحابہ سے متعلق تاریخی حوالوں کا ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی بلکہ دعوی کیا ہے کہ یہ علمی حقائق ہیں جو خود اہل سنت کی کتابوں میں مذکور ہیں جنہیں علمائے اہل سنت نے عوام اہل سنت سے چھپایا ہے' جیسے کوئی بہت بڑا جرم ہو گیا ہو جس کی پردہ پوشی کی خاطر اہل سنت نے مشاجراتِ صحابہ کے موضوع پر گفتگو کو ممنوع قرار دیا ہو۔

اہل سنت نے مشاجرات صحابہ کے موضوع پر گفتگو کئی وجوہات سے ممنوع قرار دی تھی' جیسے:

(۱) اس موضوع کی حیثیت دین کے بنیادی مسائل کی نہیں ہے۔

(۲) ایک مسلمان کی روزمرہ کی زندگی میں درپیش دینی ودنیوی ضرورتوں کا ان مسائل سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔

(۳) یہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کا جاننا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(۴) ان مسائل میں گفتگو سے قبل تاریخی روایتوں میں سے مستند اور غیر مستند روایتوں میں تمیز کرنے کی قابلیت چاہیے جو عوام تو عوام بہت سارے پڑھے لکھے لوگوں میں نہیں ہوتی۔

(۵) یہ پہلو بھی اہم ہے کہ صحابہ کرام کا وہ کردار جو قرآن وسنت میں بیان ہوا ہے تاریخی روایتوں کی بنیاد پر اگر کوئی اس کردار پر سوالیہ نشان لگاتا ہے تو پھر اس کا اس طرح کرنا بالواسطہ طور پر قرآن وسنت کی باتوں پر سوال اٹھانا ہے۔

(۶) صحابہ یا کسی بھی صحابی کی بابت قرآن وسنت کی روشنی میں متعین ہونے والے کردار کے برخلاف تاریخی روایتیں اگر دوسری ہی تصویر پیش کررہی ہوں تو ایسی صورت میں تاریخی روایات کی گواہی کو قرآن وسنت کے متعین کردہ کردار پر اوران کی گواہی پر مقدم نہیں کیا جاسکتا' اس نزاکت کو سمجھ کر کسی بھی صحابی کی بابت تاریخی روایتوں کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت میں آئی شہادتوں کو اکٹھا کرلے جانا اوران شہادتوں کی روشنی میں تاریخی روایات کا جائزہ لینا ایک عام آدمی یا طالب علم کے بس کی بات نہیں ہے۔

(۷) مزید یہ بھی کہ ایک عام انسان بلکہ طالب علم نزاعی مسائل میں طرفین میں سے کسی ایک کی تصویب کا مطلب یہی سمجھتا ہے کہ دوسرے کی تنقیص کی جائے جب کہ راسخین فی العلم اہل علم کے نزدیک اس مسئلہ میں ایک کی تصویب کا دوسرے کی تنقیص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اجتہاد میں غلطی کرنے کے باوجود کم ازکم ایک اجر کے مستحق ہونے والی بات نہ بہت ساروں کے علم میں ہوتی ہے اور نہ ان کی سمجھ میں آتی ہے۔

(۸) اورسب سے بڑھ کر اس موضوع میں حکم اور فیصل یا قاضی بن کر داخل ہونے کے لیے علم کی جو گہرائی وگیرائی' فکر ونظر کی جو راستی اور تقوی وللّٰہیت مطلوب ہے فی زمانہ وہ اکثر ان لوگوں کے اندر ناپید ہے جو اس موضوع پر بات کرتے ہیں۔

(۹) ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو بات صفین والوں کے متعلق کہی جائے گی وہی بات جمل والے صحابہ تک بھی جائے گی جن میں سے کئی ایک زبانِ رسالت مآب ﷺ کے ذریعہ جنتی ہونے کی ضمانت پاچکے ہیں' اور بعید نہیں کہ یہی بات پھر اُبوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تک بھی جائے۔

(۱۰) صفین وجمل سے ہونے والی شروعات درمیان میں نہیں رکے گی۔وہ اپنی کجی کے باوجود اپنا منطقی سفر جاری رکھے گی اور بالواسطہ طور پر نبی ﷺ تک بات جائے گی کہ جمل وصفین میں باہم ٹکرانے والے تھے تو وہ انہی کے ساتھی اور انہی کے پروردہ۔اسی

حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام مالک وغیرہ نے ارشاد فرمایا تھا:

هؤلاء طعنوا في أصحاب رسول الله ﷺ إنما طعنوا في أصحابه ليقول القائل: رجل سوء كان له أصحاب سوء، ولوكان رجلا صالحا لكان أصحابه صالحين.

''جن لوگوں نے صحابہ کی نکتہ چینی کی انہوں نے دراصل اس لیے صحابہ کی نکتہ چینی کی کہ کہنے والا کہہ سکے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) برے آدمی تھے اسی لیے ان کے ساتھی بھی برے نکلے' اگر وہ نیک ہوتے تو ان کے ساتھی صحابہ بھی نیک ہی ہوتے''۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۳/ ۲۴)

(۱۱) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صحابہ وآل بیت دونوں سے محبت اور ان میں اعتدال اور توازن اہل سنت کا طرۂ امتیاز ہے۔ عوام یا مبتدی طلبہ جب ناکافی علم یا فکری کجی کے ساتھ اس باب میں داخل ہوں گے تو وہ لوگ توازن برقرار نہیں رکھ پائیں گے۔ پھر وہ یا تو شرف صحبت کو یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاندانی نسبت کو داغدار کریں گے۔

(۱۲) مذکورہ بالا اسباب کے علاوہ اہل سنت کی نظر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے عقیدت ومحبت کے اظہار کے لیے اور ان کے مقام ومرتبہ کی پہچان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جمل وصفین کے سلسلے میں بھی کوئی خاص رائے رکھی جائے' اس قضیے سے تعرض کیے بغیر بھی حبِ علی کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔

یہ اور ان جیسی اور کئی مصلحتیں علمائے اہل سنت کے پیش نظر تھیں۔ سلمان ندوی صاحب نے ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خواہ مخواہ یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مشاجرات صحابہ کے موضوع پر گفتگو کرنے سے منع کر کے علماء اہل سنت نے گویا کسی جرم کی پردہ پوشی کی ناکام کوشش کی ہے۔ اہل سنت کے علماء نے اپنی عوام کو دھوکا دیا ہے' اور سلمان صاحب نے آل بیت کے طرف دار اور حق وانصاف کے علمبردار کی حیثیت سے اہل سنت کی

اس خیانت کو طشت از بام کیا ہے۔

۶۔ چھٹی حقیقت:

تاریخی روایات کے سلسلے میں سلمان ندوی صاحب نے وہی طریقہ اپنایا ہے جو اہل بدعت کی پہچان رہا ہے:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار کے سلسلے میں قرآن وسنت میں آئی عمومی وخصوصی یا اجتماعی وانفرادی شہادتوں کو یکسر نظر انداز کر دینا اور تاریخی روایات کو مکرر یوں پیش کرنا جیسے ان کے کردار کے سلسلے میں بس یہی کچھ حوالے ملتے ہیں۔

(۲) طرفہ تماشا یہ کہ ''منافق صحابہ'' کے نام سے ان تاریخی حوالوں کو قرآن کی تفسیر کے طور پر کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ قرآن وسنت میں وارد صحابہ کرام کا کردار کہیں دب جائے اور ان تاریخی روایتوں کی روشنی میں بیان کیا جانے والا کردار ہی سب سے بڑی سچائی بن جائے بلکہ قرآن وسنت کی گواہی اور ترجمانی بن جائے' قرآن وسنت کی حقیقی گواہی کہیں دب جائے اور تاریخ ہی بنیادی مرجع بن جائے۔ یہ طریقہ شیعوں کا ہے جو ہمیشہ یعقوبی اور مسعودی کے حوالے دیتے ہیں اور ان ہی کے سہارے اپنی بات رکھتے ہیں۔ اہل سنت ایسی تاریخ یا اس کے حوالوں پر مستند احادیث اور قرآنی آیات کو مقدم رکھتے ہیں۔

(۳) سلمان صاحب نے حوالے کے طور پر پیش کی گئی تاریخی روایتوں میں مستند اور غیر مستند کا فرق بالکل نہیں کیا ہے۔ صرف اہل سنت کے مؤرخین کے نام کو ان کے مستند ہونے کا حوالہ باور کروایا ہے۔ جب کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل سنت کے مؤرخین نے کتب تاریخ میں بہت ساری روایتیں ایسی بھی نقل کی ہیں جن کے وہ خود اقراری نہیں ہیں۔ صرف یہ بتانے کے لیے نقل کی ہیں کہ اس سلسلے میں یہ روایات بھی وارد ہیں اور پھر ان

کی استنادی حیثیت کے سلسلے میں پیش کردہ سند کو کافی سمجھ لیا ہے۔ اس سلسلے میں اہل علم کے درمیان یہ اصول مذکور ہے:

من أسند فقد أحال ومن أسند فقد برئت ذمته.

''جس نے سند ذکر کردی وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوگیا۔''

اب ذمہ داری اس قاری پر ہے جو ان حوالوں کو پڑھتا ہے۔ اگر کوئی اس حقیقت سے چشم پوشی کرلے اور یہ باور کرائے کہ طبری وذہبی جیسے مؤرخین اہل سنت نے سب کچھ بیان کیا ہے جب کہ علمائے اہل سنت نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر چھپا دیا ہے تو اس کو کیا کہا جائے؟ طبری وذہبی وغیرہ کے موقف کو سمجھ کر علمائے اہل سنت سلمان صاحب کی طرح تبرانہ کریں تو اس میں علمائے اہل سنت کا قصور ہے یا سلمان صاحب کی ناسمجھی؟ تاریخی روایات اور مؤرخین اہل سنت کے علمی طریقہ سے متعلق اس حقیقت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی غلطی کو علمائے اہل سنت کے سر ڈال دیں تو اسے کیا کہیں گے؟ یہ قصورِ علم ہے یا علمی خیانت؟ یا پھر بغض صحابہ کے نتیجہ میں عطا ہوئی فکر ونظر کی ظلمتیں؟

(ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَا اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا)

''تاریکی پر تاریکی مسلط ہے' آدمی اپنا ہی ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے''۔ (سورۃ النور: ۴۰)

سچ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ.

''جسے اللہ نور نہ بخشے اس کے پاس پھر کوئی روشنی نہیں ہوتی''۔ (سورۃ النور: ۴۰)

(۴) سلمان صاحب نے ایک کام یہ بھی کیا ہے کہ روایتوں میں سے صرف چند ایسی روایتوں کو لیا ہے جو ان کے خود ساختہ مفہوم کی تائید کریں جب کہ دیانت کا تقاضا تھا کہ اگر تاریخی روایتوں کے حوالے دینے ہی تھے تو موضوع سے متعلق تمام طرح کی

روایتوں پر محققانہ گفتگو کرتے، جو کہ اہل علم کا طریقہ ہے اور انصاف کا تقاضا بھی۔ امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

إن أهل العلم يكتبون مالهم وما عليهم وأهل الأهواء لايكتبون إلا ما لهم.

''اہل علم کا شیوہ یہ ہے کہ وہ موافق اور مخالف دونوں قسم کی باتوں کو لکھتے ہیں اور اہل اہواء بدعتی صرف وہی باتیں لکھتے ہیں جو ان کے مطلب کی ہیں''۔

(ذم الكلام وأهله للهروي:۳۳۸)

(۵) اور پھر یہ تأثر دیا کہ پورے چودہ سو سالہ تاریخ میں علمائے اہل سنت نے اس حوالہ سے امت کو دھوکا دیا ہے اور حق گوئی سے گریز کیا ہے۔

تفصیل کا موقعہ نہیں، تاہم یہ دعوت ضرور ہے کہ سلمان ندوی صاحب نے جن روایتوں کو پیش کیا ہے قارئین اور سلمان صاحب کے سامعین معتبر اہل سنت کی کتابوں میں ان روایتوں کی تحقیق اور وضاحت کے سلسلے میں کیا کچھ لکھا گیا ہے ایک نظر ضرور دیکھ لیں۔ ویسے بھی ایک طرفہ بات سن کر فیصلہ کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے جس کو خود علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے:

إذا تقاضى إليك رجلان فلا تقض للأول حتى تسمع كلام الآخر فسوف تدري كيف تقضي قال علي: فمازلت قاضيا بعد.

نبی ﷺ کا فرمان ہے: جب تمہارے پاس کوئی اپنا مدعا اور مطالبہ لیکر آئے تو پہلے آدمی کے حق میں فیصلہ نہ دو، تا آں کہ دوسرے کی بھی سن لو۔ اس سے تمہیں یہ سیکھ ملے گی کہ فیصلہ کیسے کیا جاتا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ہدایت کو سننے کے بعد سے میرا طریقہ یہی رہا ہے۔ (مسند أحمد وترمذي - حسنہ الألبانی)

اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ

''یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گھاٹی کے کھوکھلے کنارے پر رکھی''

(سورۃ التوبۃ:۱۰۹)

سلمان ندوی صاحب کی فکر کی یہ قلابازی جس نے بہت سارے دور ونزدیک کے لوگوں کو اچنبھے میں ڈال رکھا ہے اور جس نے لوگوں کو قائل کرنے سے زیادہ حیران کیا ہوا ہے وہ دراصل مختلف اور متنوع اسباب سے جڑی ہے۔ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ کوئی متاع گم گشتہ ہاتھ لگ گئی ہو۔ ذیل میں ہم انہی بنیادوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کا جائزہ لیتے ہیں جن کے سہارے سلمان ندوی صاحب نے اپنی بات پیش کی ہے اور ان اسباب کا تجزیہ کرتے ہیں جن کے دوش پر سوار یہ فکر لوگوں تک پہنچ رہی ہے۔ ویسے تو چھوٹے بڑے متعدد اسباب اور حوالے ہیں جن کا سہارا ندوی صاحب دوران خطاب لیتے رہتے ہیں تاہم یہاں چند نمایاں اسباب اور سہارے درج ذیل ہیں:

۱۔ بعض تاریخی روایات کا حوالہ:

تاریخی روایات کے سلسلے میں سلمان ندوی صاحب کے موقف میں کیا جھول ہے اس کا تذکرہ پچھلی سطور میں ہو چکا ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۱ تا ۲۴)

۲۔ آل بیت سے محبت کا زعم:

دوسری بنیاد آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا زعم ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت ومحبت دین وایمان کا حصہ ہے، تاہم

اس کا مطلب دور دور تک یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام یا بعض صحابہ کی شان میں گستاخی کی جائے۔

سلمان ندوی صاحب نے صحابہ کے سلسلہ میں بتدریج اپنے افکار ونظریات کا اظہار جب بھی کیا حبِ آلِ بیت کے تقدس کی چادر میں لپیٹ کر ہی کیا ہے۔اس پر تعجب بھی نہیں ہے کہ رافضیت کی بدعت نے یہ سارا کھیل اپنی ابتدا میں بھی انہی بنیادوں پر کھیلا تھا' اور آج چہرہ وچولا بدل کر پھر سے ایک بار آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آڑ ہی میں یہ کھیل جاری ہے۔

البتہ سلمان ندوی صاحب کے ساتھ مزید ایک دھوکا یہ جڑ گیا ہے کہ انہیں خاندان کے حوالے سے سیدی نسبت حاصل ہے اور اپنی اس نسبت کا احساس بھی ان کے اندر اس قدر شدید ہے،لگتا ہے کہ نام سلمان نہ ہو کر محمد ہوتا تو مہدیٔ منتظر ہونے کا دعوی ہی کر بیٹھتے۔ویسے بھی جس طرح عرب وعجم اور مشرق ومغرب کو للکارتے ہیں اور حسنین شہیدین سے اپنے نانا کی نسبت کا اظہار کرتے ہیں اور خود کو ان کے مشن کا علمبردار گردانتے ہیں اس کے بعد صرف دعوی ہی کی کمی رہ جاتی ہے۔

امام ابوسعید عثمان بن سعید دارمی (ت ۲۸۰ھ) نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''الرد علی الجھمیۃ'' میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔ابوالربیع سلیمان بن داؤد زہرانی جو امام مالک' حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ جیسے ائمہ حدیث وفقہ کے شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل' علی بن المدینی' اسحاق بن راہویہ' ابوزرعہ رازی' امام ابوداؤد اور امام مسلم جیسے اساطینِ علم کے استاذ ہیں بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص تھا جو جہمیہ (جہم بن صفوان کی طرف منسوب ایک بدعتی فرقہ جس کی بدعت کفریہ ہے) میں سے تھا مگر لوگوں کے سامنے حبِ علی بن ابی طالب اور تشیع کا اظہار کیا کرتا تھا' ایک شخص نے جو اس جہمی کی حقیقت سے واقف تھا اس سے پوچھا: مجھے معلوم ہے کہ دین اسلام سے حقیقت میں تمہارا کوئی واسطہ نہیں، پھر تم یہ حبِ علی رضی اللہ عنہ اور تشیع کا اظہار کیوں کرتے ہو؟ اس جہمی شخص نے جواب دیا: سچی بات یہ ہے کہ اگر ہم اپنی اصلی فکر کا اظہار کر دیں تو لوگ ہمیں کافر اور زندیق ہی سمجھیں گے۔ہم نے دیکھا کہ یہاں کچھ

ایسے لوگ بھی ہیں جو حبِ علی رضی اللہ عنہ اور اس کے مظاہرہ کو اپنا شیوا بنا لیتے ہیں۔ پھر وہ جس کے بارے میں چاہیں زبان درازی کرتے ہیں' جو چاہتے ہیں عقیدہ رکھتے ہیں اور جو چاہیں کہتے ہیں اور لوگ انہیں پھر بھی شیعہ ہی سمجھتے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھی تو ہمیں بھی لگا کہ اس سے زیادہ آسان کوئی اور راستہ نہیں ہے کہ ہم بھی حبِ علی رضی اللہ عنہ کو اپنا شعار بنالیں پھر جو چاہیں کریں' جو چاہیں عقیدہ رکھیں اور جس پر چاہیں زبان درازی کریں' کیوں کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ لوگ ہمیں بھی شیعہ ہی سمجھیں گے اور ہمارے حق میں یہ بات اس سے بہتر ہے کہ کفر اور زندقہ کے حوالے سے ہماری پہچان ہو، ورنہ ہمارے نزدیک علی رضی اللہ عنہ اور ان میں جن پر ہم زبان درازی کرتے ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ (الرد علی الجہمیۃ: ۳۸۲)

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ جو تاریخ کا سبق یاد رکھتا ہے وہ ہاؤ بھاؤ یا ظاہری رکھ رکھاؤ سے کبھی دھوکا نہیں کھاتا۔ واقعہ پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ ایک بھولا ہوا سبق یاد آرہا ہے۔ اس واقعہ میں اس جہمی کی بیان کردہ چال کو دیکھیں اور اس کا موازنہ کریں سلمان صاحب کے حبِ آل بیت کے دعوی اور اس کی آڑ میں پروسی جارہی فکر سے۔ اس واقعہ کا یہ پہلو بھی دیکھیں کہ تاریخ میں حبِ آل بیت کے حوالہ کا استغلال کیسے کیسے کیا گیا ہے۔ سلمان صاحب حبِ آل بیت کی آڑ میں نہ صرف اپنے گمراہ کن افکار چھپا رہے ہیں بلکہ آئندہ اس قسم کے متعدد الأغراض طالع آزماؤں کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں، ان کے سامنے راستہ کھول رہے ہیں اور انہیں سکھلا رہے ہیں کہ تمہیں اپنی بات کس چابک دستی سے رکھنی ہے۔

اہل باطل کے اسی طرزِ تلبیس کو اجاگر کرتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

---- وأخرجت الروافض الإلحاد والكفروالقدح في سادات الصحابة وحزب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأولياءه وأنصاره في قالب حب أهل البيت والتعصب لهم وموالاتهم ---------- فكل صاحب باطل لايتمكن من ترويج باطله

إلا بإخراجه في قالب حق' والمقصود أن أهل المكر والحيل المحرمة يخرجون الباطل في القوالب الشرعية)

''روافض نے الحاد وکفر اور سادات صحابہ اور رسول اللہ ﷺ کی جماعت اور آپ کے قریبی ساتھیوں اور جان نثاروں پر زبان درازی کو اہل بیت کی محبت اور ان سے تعلق کے لبادے میں پیش کیا۔۔۔۔ ہر صاحب باطل اپنے باطل کو حق کے لبادے میں پیش کیے بنا رواج نہیں دے پاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مکار اور ناجائز حیلہ سازی کے ماہر یہ لوگ باطل کو شرعی لبادے ہی میں ظاہر کرتے ہیں''۔

(إغاثة اللهفان: ۲: ۸۲)

جہاں تک سلمان صاحب کی شخصی سیدی نسبت کا معاملہ ہے اور بار بار اس کا اظہار کرنے اور اپنی راستی کو بتانے اور جتانے کے لیے اس نسبت کا سہارا لینے کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں یہ اصولی بات یاد رکھی جائے کہ آل بیت رسول ﷺ میں سے جو حق وہدایت پر ہوں وہ صحابہ کی طرح امت کے سلف صالحین کا حصہ ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان سے نسبت رکھنا باعث سعادت ہے۔ کتاب وسنت کی تعلیمات کے دائرے میں ان کی پیروی کرنا اور ان کو نمونہ بنانا باعث عز وشرف بھی ہے اور دنیا وآخرت میں سرخ روئی کی ضمانت بھی۔ البتہ یہاں ایسا کوئی ضابطہ نہیں ہے کہ جس کسی کو یہ نسبت حاصل ہو وہ کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا۔ خود علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ اشعار اسلام کے اس اصولی موقف کی ترجمانی کرتے ہیں:

لعمرك ما الإنسان إلا بدينه فلا تترك التقوى اتكالا على النسب

فقد رفع الإسلام سلمان فارس وقد وضع الشرك الشقي أبالهب

(قسم ہے! انسان کی قدر وقیمت اس کے دین کی وجہ سے ہے لہٰذا تم نسب کے بھروسہ پر تقویٰ کو نہ چھوڑو، کیوں کہ اسلام نے فارس کے سلمان کو عزت بخشی اور شرک نے بدبخت ابولہب کو ذلیل کیا)

تاریخ اسلام میں آل بیت رسول ﷺ کے سلسلہ میں اس قسم کی اندھی عقیدت اور تقدیس کا تصور رافضیوں کے پاس رہا ہے کہ وہ آل بیت رسول ﷺ ہی کو سنت مانتے ہیں۔ رافضی اصول کے مطابق آل بیت اور سنت رسول ایک سکے کے دو رخ ہیں، جو کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔

اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' کے اندر ایک حدیث طبرانی کی سند سے نقل کی ہے اور اس کو ''حسن'' بھی قرار دیا ہے، جس کے مطابق یہ ایک فتنہ ہے جس کی پیشن گوئی نبی ﷺ نے فرمادی تھی کہ کچھ لوگ حبِ آل بیت کا چولا پہن کر امت کو دھوکا دیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس تھا، علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے علی! ایک وقت آئے گا کہ کچھ لوگ حبِ آل بیت کا حوالہ دیں گے جب کہ ان کی پہچان ہی رفض (صحابہ کا انکار بالخصوص ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار ہے) ہوگی۔ جب ایسے لوگوں سے سامنا ہو تو ان سے لڑو کیوں کہ وہ مسلمان نہیں ہوں گے۔ (مجمع الزوائد: ۱۶۴۳۴- ہیثمی نے مسند أبي يعلى، طبرانی وغیرہ کے حوالے سے اس مفہوم کی متعدد روایتیں نقل کی ہیں اور ہر سند میں کوئی نہ کوئی ضعف بیان کیا ہے، البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت پر حکم لگایا ہے کہ ''رواه الطبراني وإسناده حسن'')

قارئین کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دیں کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے (تفصیل کے لیے دیکھیں ''سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني: ۵۵۹۰، ۵۵۹۱، ۶۲۶۲ اور ۶۵۴۱''، جس میں شیخ البانی نے امام ہیثمی کی تحسین کا بھی جواب دیا ہے) لہٰذا اس سے کسی قسم کا استدلال درست نہیں ہے، اور ہم خود بھی یہاں اس سے کسی قسم کا استدلال نہیں کرنا چاہتے مگر یہ ضرور بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح سلمان صاحب محض بعض تاریخی حوالوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار پر بنا تحقیق حرف گیری کر رہے ہیں انہی کے اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو پھر اس ضعیف حدیث کے سہارے سلمان صاحب کو بھی تولا جا سکتا ہے اور ان

کو آئینہ دکھلایا جا سکتا ہے۔

کوئی یہ بھی سوچے کہ اچانک آلِ بیت کا یہ درد جو جاگا ہے کیا یہ واقعی حسینی نسبت کا درد ہے؟؟ یا پھر سلمان صاحب غمِ دوراں کی آڑ میں غمِ جاناں کو چھپا رہے ہیں؟؟

حقیقت کیا ہے اللہ جانے مگر جو سنا ہے اس کے مطابق سلمان ندوی صاحب ندوۃ العلماء کے داخلی معاملات میں خود کو مظلوم تصور کرتے ہیں' اور بین الاقوامی معاملات کے تناظر میں سعودی عرب کو بھی ایک ظالم تصور کرتے ہیں۔ ظالم کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنے کے جذبے میں ڈوبے پہلے ''ندوہ'' پھر ''ظالم سعودی عرب'' کے خلاف بولتے ہیں۔ اسی پس منظر میں ان کو تاریخ کا بھی ایک بیانیہ ملتا ہے اور وہ ہے خلافت کے معاملے میں آل بیت کی مظلومیت کا رافضی نظریہ''۔ یہ بیانیہ انہیں خوب بھاتا ہے کہ خود بھی سید ہیں اور خود کو مظلوم بھی سمجھتے ہیں اس طرح نسبت کے ساتھ ساتھ یک گونہ مناسبت بھی نکل آتی ہے۔ اب اس نئے بیانیہ کو ہو بہو قبول کرنے میں تردد ہے کہ اس سے اپنی سنیت کی پہچان ختم ہو جائے گی، تاہم تحریکی فکر سے وابستگی ایک نیا زاویہ فراہم کرتی ہے اور وہ زاویہ ہے ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' کے مقابلے میں ملوکیت کا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کی وجہ سے صفین والوں کو نشانہ پر رکھنے کا، لہٰذا آل بیت کی مظلومیت کی داستان اپنے اس نئے بیانیہ میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ چلتے چلتے ''منافق صحابہ'' کو بے نقاب کرنے تک جا پہنچتے ہیں' اور یہ سب انہیں ''**کلمة حق عند سلطان جائز**'' کے مختلف مظاہر لگنے لگتے ہیں۔

دوسری طرف خارجی فکر کی یہ خاصیت مہمیز کا کام کرتی ہے کہ حق بولنے کے لیے سب سے اچھا بیانیہ بغاوت والا ہی ہے' حکمرانوں کے خلاف بغاوت' ذمہ داروں کے خلاف بغاوت' علمی اصولوں کے خلاف بغاوت' مسلمہ عقائد کے خلاف بغاوت' متقدمین اہل علم کے راستہ سے بغاوت۔ ایک ایسی فکر ہے جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی اور اپنے وقت کے سب سے متقی انسان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قتل کروا کے بھی قاتل ابن ملجم کو احتساب اور اللہ کے

پاس اجر کا یقین دلائے رکھتی ہے۔ سلمان صاحب کو یہ فکر بھی اور یہ بیانیہ بھی خوب بھاتا ہے اور وہ اسی رنگ میں خود کو رنگ لیتے ہیں۔

سلمان ندوی صاحب کے اس بیانیہ کا خلاصہ بس دو اصول ہیں۔ اس بیانیہ کی بنیاد مظلومیت کا احساس ہے اور اس کا راستہ بغاوت کا ہے۔ سلمانی فکر کا کل سرمایہ یہی دو باتیں ہیں اور اگر رافضی فکر کا تجزیہ کیا جائے تو اس کا نچوڑ بھی بس یہی دو باتیں ہوں گی۔ آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے متبعین کی مظلومیت اور بغاوت کے راستے ان کے حقوق کی بازیابی کا علم بلند کیے رکھنا۔

حقیقت یہ ہے کہ سلمان صاحب خود کی مزعومہ مظلومیت کے احساس میں ڈوب کر تاریخ پڑھ رہے ہیں تو انھیں پوری تاریخ ظلم کی تاریخ نظر آنے لگی ہے۔ تاریخ کا کمال یا اس کا یہ نقص ہے کہ آپ اگر ایک مخصوص ذہن لے کر اسے پڑھیں یا آنکھوں پر مخصوص رنگ کا چشمہ لگا کر پڑھیں تو پوری تاریخ اسی رنگ میں رنگی نظر آتی ہے۔

۳۔ فطری صلاحیتیں:

تیسری چیز جس کے سہارے سلمان صاحب لوگوں کے ذہن و دماغ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ان کی خداداد صلاحیتیں ہیں۔ اللہ تعالی نے سلمان ندوی صاحب کو فطری طور پر بہت ساری خوبیوں اور صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہے۔ بالخصوص ان کی زبان و انداز بہت ساروں کے لیے ساحرانہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ محض کسی کے کروفر سے دنیا زیر و زبر ہو سکتی تو حضرت والا کے ناز و انداز کو دیکھ کر پتا نہیں کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔۔۔ ان صلاحیتوں کے نتیجے میں عقیدت مندوں کا ایک معتد بہ حلقہ آپ کا گرویدہ ہے۔ اس پر مستزاد اگر معتقدین کا مزاج تقلیدی ہو اور ماحول شخصیت پرستی کا ہو تو پھر دلائل سے زیادہ شخصیات کا سحر اور دبدبہ ذہن و دماغ کو مسخر کر لیتا ہے۔ سلمان صاحب کے معتقدین کم یا زیادہ جتنے بھی

ہوں ان سے عقیدت اس درجہ کی رکھتے ہیں کہ اکثر انہیں ''امام'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور پھر سلمان صاحب اس قدر اونچائی سے بولتے بھی ہیں کہ لگتا ہے ان کا انگ انگ اس احساس میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے کہ

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا مستند ہے میرا فرمایا ہوا
(میر تقی میر)

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ صلاحیتیں اگر ہدایت یافتہ نہ ہوں اور شاہراہ سنت اور سلف صالحین کے نقش پا کی پیروکار نہ ہوں تو پھر وہ جدھر مڑتی ہیں اسی طرف موڑ دی جاتی ہیں۔ پھر وہ چاہے جتنا سرپٹ دوڑیں یا دُلکی چال چلیں منزل تو ہاتھ آنے سے رہی۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا.

''جو شخص باوجود اس کے کہ اس پر راہ راست واضح ہوگئی رسول سے اختلاف کرے اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر چلے تو ہم اسے اسی رخ پر چلائیں گے جدھر وہ مڑ چکا ہے اور اسے جہنم رسید کر دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے''۔ (النساء:۱۱۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایسی ہی بعض غیر ہدایت یافتہ صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أوتوا ذكاء وما أوتوا زكاء' وأعطوا فهوما وما أعطوا علوما وأعطوا سمعا و أبصارا وأفئدة فما أغنى عنهم سمعهم ولا أبصارهم ولا أفئدتهم من شيء إذ كانوا يجحدون بآيات الله وحاق بهم ما كانوا به يستهزؤون.

''انہیں ذہانت تو نصیب ہوئی مگر فکر و نظر کی نزاہت ان کے حصہ میں نہ آئی۔ انہیں عقل و خرد تو ملے مگر حقیقی علم سے محروم رہے۔ انہیں سماعت و بصارت اور دل تو

ملے مگر ان کی سماعت، بصارت اور دل ان کے کچھ کام نہ آئے' کیوں کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اسی انجام نے انہیں گھیر لیا جس کو وہ مذاق سمجھتے تھے''۔(الفتوی الحمویۃ الکبری:۵۵۶)

خود ہمارے اپنے ملک کی تاریخ میں ایک نام مرزا غلام احمد قادیانی کا بھی گزرا ہے، جس نے پہلے پہل لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا تھا۔ پھر گل کھلائے تھے۔ مقصود بس اس حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ کسی کی ذاتی صلاحیتیں اپنی جگہ اور دینی حقائق کی ترجمانی اپنی جگہ۔ محض کسی کی ذاتی قابلیت اور استعداد یا متاثر کن شخصیت کبھی دلائل اور شواہد کی جگہ نہیں لے سکتی۔ کئی شخصیات کو ایک طرف رکھ کر افکار کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے۔

۴۔ سعودی عرب کی مخالفت:

چوتھی اہم چیز جس کے سہارے سلمان صاحب نے اپنی بات لوگوں کے سامنے رکھی ہے وہ ہے سعودی عرب مخالف جذبات کا استحصال۔ برصغیر میں مختلف صحیح یا غلط اسباب اور حوالوں سے سعودی مخالف ایک ذہن پہلے سے موجود ہے۔ سلمان ندوی صاحب نے صحابہ کی عدالت اور ثقاہت جیسے انتہائی حساس اور نازک موضوع کو بھی جس غیر سنجیدہ مزاج کے ساتھ لیا ہے وہ بے حد تشویشناک ہے۔ سلمان صاحب اس انتہائی اہم موضوع پر گفتگو علمی کم جذباتی زیادہ کرتے ہیں' ساتھ ہی شاید انہیں اس بات کا ادراک بھی ہے کہ صرف اس موضوع پر گفتگو کر کے جذباتی تائیدیں نہیں بٹور پائیں گے، اس لیے دوران خطاب کبھی ''ندوہ'' کے خلاف تو کبھی ''سعودی عرب'' کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار اور حق پرستی کا دعوی ایسے زوردار انداز میں کرتے ہیں کہ معتقدین کے برانگیختہ جذبات اسی رو میں بہہ جاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر مان لیتے ہیں کہ مولانا ندوہ میں بھی برحق' سعودی عرب کے معاملے میں بھی برحق اور صحابہ کی نقد وجرح کے باب میں بھی برحق۔

ہمارے قارئین اور سلمان صاحب کے سامعین کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وقتی طور پر سعودی عرب کے معاملے میں سلمان صاحب کو سو فیصد درست بھی مان لیں اور سعودی عرب کو ان کے الفاظ میں وقت کا ''طاغوتِ اکبر'' بھی تسلیم کر لیں تو کیا اس سے یہ جواز فراہم ہو جاتا ہے کہ صحابہ کی شان میں زبان درازی کریں؟ کیا یہ سمجھنا ایک گمراہی نہیں ہے کہ مولانا سعودی عرب کے معاملے میں درست ہیں' ندوہ کے معاملے میں درست ہیں تو صحابہ کے باب میں ان کی موشگافیاں بھی درست ہوں گی؟؟

۵۔ابو ہریرہ فقیہ نہیں ہیں؟

سلمان ندوی صاحب نے عدالت صحابہ پر شب خون مارا ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو درباری مولوی اور حدیث رسول کو چھپانے والا قرار دے کر ان کی دیانت وامانت پر سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے اور پھر اپنی اس دریدہ دہنی کو جواز فراہم کرنے کے لیے اس قدیم بحث کا حوالہ دیا ہے کہ بعض علمائے احناف نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ قرار دے کر جرح کی ہے۔سلمان صاحب نے بعض علمائے احناف کی اس فقیہ اور غیر فقیہ والی بحث کے سہارے اپنے مخصوص افکار کو جواز فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس سلسلے میں علمائے احناف خود اپنے موقف کو واضح کریں اور سلمان صاحب کی اس تدلیس پر سے پردہ اٹھائیں تو بہتر ہوگا، تاہم یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کے بارے میں مذکورہ بالا موقف کے سلسلہ میں بس اس قدر بتا دیا جائے کہ ایک تو یہ تمام علمائے احناف کا موقف نہیں ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ یہ موقف محقق اہل علم کے نزدیک مردود ہے۔اور تیسری بات جو زیادہ اہم ہے کہ فقاہت پر سوالیہ نشان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علم وتدبر کے سلسلہ میں ہے جس کا ان کی عدالت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ بعض اہل علم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

فقاہت پر سوال اٹھائے ہیں تب بھی سلمان صاحب کی طرح ان کی عدالت' دیانت اور امانت پر کسی نے سوال نہیں اٹھایا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت پر ماضی وحال میں اہل بدعت ہی نے سوال اٹھایا ہے بلکہ یوں کہا جائے ان کی عدالت پر سوال اٹھانا بدعتی ہونے کی علامت ہے۔ سلمان صاحب کسی بھی راوی کے علمی مقام اور اس کی عدالت کے مذکورہ بالا فرق کو بخوبی جانتے ہیں مگر ہوائے نفس کا جب غلبہ ہو تو پھر انسان کی عقل پر پردہ پڑ جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔

۶۔عہدِ صحابہ میں منافق ومرتد:

اس موضوع کا ایک افسوس ناک پہلو ماضی میں بھی اور حال میں بھی یہ رہا ہے کہ صحابہ کی عدالت پر جب بھی جرح کرنی ہوتی ہے تو ایسے لوگ دو باتوں میں سے کسی ایک کا سہارا لیتے ہیں:

أ) ایک تو یہ کہ بعض لوگ نبی ﷺ پر ایمان لا کر صحابی تو بنے تھے مگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔

ب) نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان منافق بھی تھے۔

یہی دوسرا طریقہ سلمان ندوی صاحب نے ''منافق صحابہ'' کی سرخی قائم کر کے اپنایا ہے۔

ان دونوں باتوں کا حوالہ دے کر یہ لوگ یا تو اس مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ صحابہ میں سے بعض منافق تھے اور بعض مرتد ہو گئے تو پھر تمام صحابہ کی عدالت کا ضابطہ صحیح نہیں ہوسکتا' یا پھر وہ یہ دعوی کرنا چاہتے ہیں کہ جب کچھ لوگ منافق اور مرتد ہوئے تو بقیہ کے سلسلہ میں کیا ضمانت ہے؟؟

ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ صحابی کی جو تعریف اہل علم کے نزدیک معتبر ہے اس کے مطابق مرتد ہو کر مرنے والا شخص صحابی کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہے، کیوں کہ صحابی کہلانے

کے لیے ایمان کی حالت میں وفات پانا ضروری ہے اور مزید یہ بھی کہ اسی تعریف کے مطابق ''ایمان کی حالت میں'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنا ضروری ہے جس کی رو سے منافق، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے مگر آپ کے ساتھی (صحابی) نہیں بن پائے تھے، کیوں کہ ''ان کے اندر ایمان نہیں تھا۔''

مزید یہ بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حینِ حیات جو منافق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنا کفر چھپا کر لگے ہوئے تھے وہ اس قدر ڈرے سہمے اور معاشرہ کے نزدیک معروف تھے کہ علم اور دین کی نسبت تو کجا سماج میں گردن اٹھا کر جینے والے بھی نہیں تھے بلکہ وہ سماج کی نظروں میں گرے ہوئے لوگ تھے۔ ان کا دین کی نشر واشاعت اور اس کی تبلیغ وترویج سے کبھی کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ اسی لیے تاریخ اسلام میں ان منافقین کے وجود کو کبھی کسی نے علمی و دینی معاملات میں درخود اعتناء نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے وجود کی وجہ سے عدالتِ صحابہ کے اصول میں کسی قسم کی رخنہ اندازی کو قبول کیا، البتہ منکرین سنت اور رافضی مفکرین نے ہمیشہ ان باتوں کا سہارا لے کر سنت کی اور اہل سنت کی استنادی حیثیت کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ اس طرح آپ یوں سمجھ لیں کہ سلمان صاحب کی یہ بدعت بھی جدت کے زمرے میں نہیں ہے۔ یہ بدعت بھی قدیم ہے اور اس کے موجد اہل بدعت تھے تو آج ان کا مقلد بھی بدعتی ہی ہوگا۔

قصہ مختصر، سلمان ندوی صاحب نے یہ جو بکھیڑا کھڑا کیا ہے یہ نہ علمی اصولوں پر کھرا اترتا ہے اور نہ منہجی کسوٹی پر۔ یہ یا تو ایک منحرف شخص کی فکری کجی ہے یا ایک منتشر ذہنیت کے حامل شخص کی پراگندہ خیالی، جو زبان حال سے خود سلمان صاحب سے پوچھ رہی ہے:

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی؟

سلمان صاحب کی ان حرکتوں سے ایک ہلچل ضرور مچی ہے مگر اس کا حاصل سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بعض لوگوں کے دین وایمان کی آزمائش ہوگی۔ پھر تاریخ کے اوراق میں یہ اپنی فتنہ سامانیوں کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔

عرضِ مدّعا

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام، محبت ہے جہاں تک پہنچے
(جگر مرادآبادی)

اس ساری گفتگو کا - جو دراصل محض ایک اجمالی جائزہ تھا- مقصود اور منشا بس یہی تھا کہ یہ موضوع جس نے عوام وخواص کے حلقوں میں یکساں طور پر ایک ہلچل مچا رکھی ہے اور اہل سنت میں سے بہت تھوڑے سہی مگر ضرور بعض لوگوں کے دلوں میں یہ اندیشہ بھی جگا دیا ہے کہ کہیں سچ مچ کچھ گڑ بڑ تو نہیں ہے؟ ان کے سامنے موضوع کے دوسرے پہلو کو- خاص طور پر سلمان ندوی صاحب نے جن پہلوؤں کو نظر انداز کیا جس کی وجہ سے خود کے لیے اور دوسروں کے لیے ایک نیا فکری بحران کھڑا کرنے کا سبب بن گئے- ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے تاکہ پریشان انسان مطمئن ہو اور جو مزید آگے پڑھنا یا تحقیق کرنا چاہے اس کے سامنے یہ واضح رہے کہ موضوع مزید کن دیگر پہلوؤں سے مل کر پورا ہوتا ہے تاکہ تلاش حق کا اُس کا سفر روشن شاہراہ پر ہو؛ بھول بھلیوں یا تاریک گلیوں سے گزرنے کے بعد چراغ بھی ملے تو آدمی دھوکہ کھا سکتا ہے جب کہ حق نصف النہار پر چمکتا سورج ہے۔ حق وہ روشن منزل ہے جس کا راستہ بھی بہت روشن ہے، جس میں جدت کی بجائے قدامت، معیار حق ہے؛ جس کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

قد تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها لايزيغ عنها بعدي إلا هالك ومن يعش منكم فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بما عرفتم من سنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا

عليها بالنواجذ.

''میں نے تمہیں ایک روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے' میرے بعد اس راہ سے وہی ہٹے گا جو ہلاک ہونے والا ہے' تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔ ایسی صورت حال میں تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت میں سے جو کچھ جانتے ہو اس کو پکڑے رہو اور مضبوطی سے تھامے رہو''۔ (ابن ماجہ و مستدرک حاکم و مسند أحمد)

اس اجمالی جائزہ کو چند گزارشات پر ختم کرتا ہوں:

سلمان صاحب کی توبہ:

راہ چلتے ہوئے ٹھوکر لگنا بالخصوص سنگلاخ سرزمین پر پیروں کا زخمی ہونا یا آدمی کا لڑکھڑا جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اکثر انسان سے عملی کوتاہیوں کی طرح علمی دنیا میں بھی متعدد معقول وغیر معقول اسباب کی وجہ سے لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ کئی بار حسنِ نیت کے باوجود کسی خارجی سبب کی وجہ سے آدمی سے غلطی ہو جاتی ہے' اور عملی زندگی میں گناہوں سے توبہ کی طرح علمی سفر میں اپنی علمی، منہجی، فکری اور عقدی لغزشوں سے رجوع کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے' اور یہاں بھی صبح کا بھولا شام کو اگر گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے' بلکہ رجوع إلی الحق آدمی کے حق پرست ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب لکھا تھا' جس میں انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

لا يمنعنك قضاء قضيته ثم راجعت فيه نفسك فهديت إلى الرشد أن تنقضه فإن الحق قديم لا ينقضه شيء، والرجوع إلى الحق خير من التمادي في الباطل.

''کبھی تم نے ایک فیصلہ کر دیا، پھر تم نے اس پر غور کیا اور یہ حقیقت کھلی کہ حق تو اس کے برخلاف تھا تو اس پہلے فیصلہ کو رد کرنے میں کوئی بات رکاوٹ نہ بنے' کیوں کہ حق قدیم ہے جسے کوئی چیز باطل نہیں ٹھہرا سکتی اور حق کی طرف رجوع کر لینا باطل پر اڑے رہنے سے بہتر ہے''۔(سنن الدارقطنی:۴۴۷۱)

بنا بریں اگر سلمان ندوی صاحب نے اپنی اس نظریاتی جدت اور فکری بدعت سے رجوع کر لیا ہے تو یہ بہت ہی اہم اور غیر معمولی بات ہے اور قابل تعریف پہلو ہے' ان کے رجوع کر لینے کے بعد ان کو ملامت کرنا یا اس متروک موقف کے حوالہ سے ان پر طعن وتشنیع کا سلسلہ جاری رکھنا قرین انصاف بھی نہیں اور شرعا جائز بھی نہیں' کیونکہ

التائب من الذنب كمن لاذنب له.

''گناہ سے توبہ کر لینے والا ویسا ہی ہے جیسے وہ شخص جس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے''۔(ابن ماجہ: وحسنہ الألباني: صحیح الجامع ۳۰۰۸)

البتہ یہ بات رہ جائے گی کہ ان کی شخصیت کو چھوڑ کر ان کے پھیلائے گئے شبہات اور اٹھائے گئے اعتراضات کا علمی رد حسب ضرورت کیا جاتا رہے گا، تاکہ

{لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ }

''تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے''۔(سورۃ الانفال:۴۲)

لیکن یہاں سوال یہی ہے کہ کیا سلمان ندوی صاحب نے اپنی ان جدتوں سے رجوع کر لیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں جو بات صاف طور پر دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ سلمان ندوی صاحب نے سب سے پہلے تو دل کھول کر جو کہنا چاہا کہہ دیا' اور جب اپنی کہہ چکے اور ہر طرف سے تعاقب ہونے لگا تو موضوع کو بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ بعض سادہ لوح اسے سلمان

صاحب کی توبہ باور کرنے کرانے میں لگے ہیں۔ یہ یاد رکھا جائے کہ موضوع کو بند کرنے کا اعلان کرنے والی تحریر میں خود اس بات کا اعلان ہے کہ ان کا کہا حق ہے اور یہ حق دلائل کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے، اس لیے وہ بحث کو طول دینا نہیں چاہتے۔ لہٰذا کوئی یہ غلطی نہ کرے کہ اسے سلمان صاحب کی توبہ قرار دے۔

ایمان وعقیدہ کے مسائل میں غلطی کے بعد حق کی طرف رجوع کیسے ہوتا ہے، اس کی ایک مثال امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (۲۶۰ھ-۳۲۴ھ) کی ہے، جو اپنی زندگی میں عقائد بالخصوص اسماء وصفات کے باب میں تین مراحل سے گزرے پہلا مرحلہ اعتزال کا تھا جس پر تقریبا چالیس سال قائم رہے۔ پھر ابن کلاب کے عقیدہ وطریقہ کو اپنا لیا، جو بعد میں چل کر خود ان کی طرف منسوب ہوکر اشعری مذہب کہلایا۔ یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے اس کلّابی یا اشعری مسلک سے بھی توبہ کر لی اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے نہ صرف قائل ہو گئے بلکہ اس کے علمبردار بھی بن گئے۔

ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ کی اشعری نسبت صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ وہی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی تھی۔ آپ یا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھے یا آپ کے خاندان نے انہی صحابی کے خاندان کے لوگوں کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا اور وَلاء ان کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ بعض لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے رجوع کے سلسلہ میں شک وشبہ کا اظہار کیا ہے، تاہم اکثر اہل علم کے نزدیک ان کا رجوع ثابت ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری کا رجوع ایک مثال ہے کہ بدعت سے یا عقیدہ کے مسائل میں رجوع کیسے ہوتا ہے۔ ایک مکمل مذہب ان کی طرف منسوب تھا اور ہے، لیکن حق کی طرف رجوع اور توبہ کی ایسی مثال قائم کی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے آئے اور اہل سنت کے عقائد کو اپنایا تو اپنی باقی

ماندہ زندگی اسی کی ترویج واشاعت میں لگا دی اور خود اپنے سابقہ موقف کی تردید کرتے ہوئے ''الإبانة عن أصول الديانة''، ''مقالات الإسلاميين''، ''رسالة إلى أهل الثغر'' جیسی کتابیں اور رسائل لکھ کر بالجملہ اہل سنت کے عقائد کو درست ٹھہرایا۔ بعض مؤرخین نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ جب حق کی طرف رجوع کیا تو جمعہ کے دن مسجد میں لوگوں کے جم غفیر کے سامنے کھڑے ہوئے اور اپنا کرتہ اتارتے ہوئے فرمایا: لوگو! گواہ رہو آج میں اپنے سابقہ موقف سے ویسے ہی باہر نکل آیا ہوں جس طرح آج میرا جسم اس کرتے سے باہر نکل آیا ہے۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ سلمان ندوی صاحب نے واقعی توبہ کر لی ہے اور موضوع کو بند کرنے والا اعلان ان کی توبہ ہے تب بھی یہ بات اپنی جگہ قائم ہے کہ جو شبہات' مقدمات اور الزامات سلمان ندوی صاحب نے قائم کیے تھے وہ سب لوگوں کے ذہن ودماغ سے لے کر کاغذ کے صفحات پر اور یوٹیوب اور فیس بک وغیرہ کے چینلوں پر موجود ہیں۔ سچی توبہ یہ ہوگی کہ وہ ان ساری باتوں کو حذف کر دیں اور کرا دیں' صراحتاً اپنے ان افکار سے رجوع کر لیں اور اہل سنت کے عقائد ہی کو اپنا عقیدہ تسلیم کرنے کا اعلان کریں۔

ایک پیغام سلمان صاحب کے معتقدین کے نام:

ملک کے طول وعرض میں سلمان ندوی صاحب کے معتقدین کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہے۔ تاثر وتاثیر انسانی طبیعت کا خاصہ ہے۔ خاص طور پر انسانی کمالات اور خوبیاں دوسرے انسانوں کو بڑی آسانی سے گرویدہ بنا لیتی ہیں' تاہم ایک مسلمان کی حیثیت سے ہر شخص کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسان کو اپنی عقیدت سے زیادہ اپنے عقیدہ کی فکر میں جینا چاہیے ورنہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ عقیدت کے مارے اندھ بھکت ہی اکثر فتنوں کا پہلا شکار بلکہ پہلا ایندھن بنتے ہیں۔ اسی لیے علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ نے یہ سنہرا اصول دیا ہے کہ:

''لاتعرف الحق بالرجال اعرف الحق تعرف أهله''

''حق کی پہچان شخصیتوں سے نہ کرو' حق کو پہچان لو تو حق پرست کو بھی پہچان لو گے''۔(جلاء العينين في محاكمة الأحمدين للألوسي١:١٥١)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک انسان ہمیشہ ہر معاملہ اور مسئلہ میں صحیح ہو یہ ضروری نہیں۔ زندگی کی آخری سانس تک کبھی بھی کسی کا بھی قدم ڈگمگا سکتا ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ نصیحت فرماتے تھے کہ اپنا مقتدی ورہنما بنانا ہے تو پھر ان اصحاب رسول کو بناؤ جو حق پر قائم رہتے ہوئے اس دنیا سے جا چکے ہیں کیوں کہ زندوں کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کب کون سا فتنہ ان کو اچک لے۔

من كان مستنا فليستن بمن قد مات فإن الحي لاتؤمن عليه الفتنة أولئك أصحاب محمد ﷺ أبر هذه الأمة قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا.

''کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہو تو ان کے نقش قدم پر چلو جو وفات پا چکے ہیں کیوں کہ زندہ انسان کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کب کس فتنہ کا شکار ہو جائے۔ ایسے لوگ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ تھے جو اس امت کے سب سے نیک دل' سب سے زیادہ گہرے علم کے حامل' اور سب سے کم غیر ضروری باتوں میں الجھنے والے تھے''۔(أصول الایمان: ۱۳۷ :۱۰۱)

سلمان صاحب کے معتقدین کو چاہیے کہ ایک بار اپنے آپ سے کہیں' خود کو بھولا سبق یاد دلائیں کہ سلمان ندوی صاحب بڑے ہیں، تاہم حق سب سے بڑا ہے۔

اہل اسلام کے نام:

ایک پیغام اہل اسلام کے نام بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل اسلام اطمینان رکھیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہے، تاریخ اسلام کے بڑے بڑے فتنوں کے پیچھے اکثر ایسی ہی غیر ہدایت

یافتہ صلاحتیں رہی ہیں جو اٹھیں تو یوں لگا جیسے یہ طوفان بلا خیز بہت کچھ بہا لے جائے گا لیکن انجام کار یہی ہوا کہ وہ موج

دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

اللہ کی سنت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ایسے فتنے اٹھتے ہیں اور عقیدت میں اندھے اور نفس پرستی کے مارے بعض لوگ اس کا شکار بھی ہوجاتے ہیں، تاہم دین اسلام اپنی آب وتاب کے ساتھ پھر سے ابھر کر آتا ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی ہے کہ:

''لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یأتي أمر اللہ.''

''اللہ کے دین کے حقیقی علمبرداروں کو نہ وہ نقصان پہنچا سکتا ہے جو ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کرے، حتی کہ اللہ کا فیصلہ یعنی قیامت آجائے''۔ (متفق علیہ)

دوسری بات یہ بھی کہ اہل سنت کے اہل علم کو وقتاً فوقتاً اٹھنے والے ایسے فتنوں کا سد باب کرتے رہنا چاہیے اور حق کی وضاحت کر کے اتمام حجت کی ذمہ داری نبھانی چاہیے، تاہم یہ زیادہ بہتر طریقہ ہے کہ سنت کے راہی اہل علم محض کسی خاص شخص کو موضوع بحث بنانے کی بجائے، صحابہ کی بابت اہلِ سنت کا عقیدہ، مشاجرات صحابہ سے متعلق اہل سنت کا موقف اور اس کی معقولیت، فضائل صحابہ، صحابہ کے حقوق، صحابہ کی بابت قرآن وسنت کے نصوص اور ان کی روشنی میں متعین ہونے والا صحابہ کا کردار وغیرہ کو موضوع بحث بنائیں جس سے صحابہ کرام کے تئیں الفت ومحبت، عظمت وعقیدت ہی نہیں بلکہ ان کے احترام کی وہ عظیم بنیاد ذہن ودماغ میں نقش ہوجائے جو اس قسم کے فتنوں کے مقابلے میں پتھر کی لکیر ثابت ہو۔

ملت اسلامیہ ہند اور سلمان ندوی صاحب:

سب سے آخر میں سلمان ندوی صاحب سے ایک گزارش ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کی

آواز پر بھی ذرا کان دھریں۔ آپ سے مختلف مکاتب فکر کے اہل علم کو پہلے بھی اختلاف تھا اور آئندہ بھی ہوسکتا ہے' تاہم اب کی بار بات اختلاف رائے کی بالکل بھی نہیں ہے' نہ ہی اپنی اپنی صواب دید کے مطابق عمل کر کے ایک دوسرے کو برداشت کر لے جانے کی ہے۔ اب کی بار سنجیدہ اہل علم میں سے سبھی آپ کی اس نئی اپج سے برہم ہیں اور سب کے سب شکوہ کناں!

ملت اسلامیہ ہند اور آپ کی اس باہم صورت حال کو دیکھ کر ایک واقعہ یاد آتا ہے جو دارصل ہم سب کے لیے ایک مثالی پیغام اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں اپنی اس تحریر کا اختتام اسی واقعہ کے تذکرہ پر کر رہا ہوں۔

ہمارے مربی علماء میں سے ایک حضرت مولانا حبیب الرحمن زاہد اعظمی عمری رحمہ اللہ تھے۔ ایک مستند عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی کامیاب شاعر اور ماہنامہ ''راہِ اعتدال'' عمر آباد کے مدیر بھی تھے۔ جوش ملیح آبادی سے بڑی گہری عقیدت رکھتے تھے اور ان کے شعر و فن کے بڑے مداح تھے' مگر جب جوش نے اپنے رنگ دکھلائے تو مولانا نے جوش سے اپنی بے انتہاء عقیدت کے باوجود اپنا ہوش برقرار رکھا اور جوش کے فنی کمال کا اعتراف کرتے ہوئے شکایت بھی بڑے حسین پیرائے میں کی۔ زاہد اعظمی صاحب اشعار کی زبان میں یوں شکایت کناں ہوئے:

خوب ہیں اشعار تیرے خوب تر طرزِ کلام — کاش اسی انداز کو باقی تو رکھ سکتا مدام
تیرے طرز فکر کے مداح تھے خاص و عام — لوگ تیرا نام لیتے باادب با احترام

اپنے ہاتھوں آہ تو نے کر لیا خود کو تباہ
ایک ہیرا پتھروں میں ہو گیا تبدیل آہ

کاش اسی انداز کے ہوتے ترے اشعار جوش — جوش کے طوفان میں کھویا نہ ہوتا عقل و ہوش
علم کے غرّے نے تجھ کو کر دیا مذہب فروش — ورنہ یوں پھرتا نہ بن کر در بدر خانہ بدوش

دین سے تو گیا پھر رحمت نے آنکھیں پھیر لیں
ساری دنیا کی بلائیں آ کے تجھ کو گھیر لیں

تیری مذہب دشمنی سے مجھ کو نفرت ہے مگر قدرداں ہوں میں ترے جذبات واحساسات کا
جادۂ حق سے بھٹک جاتے نہ یوں تیرے قدم کاش تو ہوتا نہ قیدی سر پھرے حالات کا

اللہ نے بخشا تجھے دیدۂ بینا افسوس کہ تاریک ہو گیا سینا
الحاد کی موجوں میں ترا ڈوبا سفینہ اور مل گیا مٹی میں یہ تابندہ نگینہ

مذہب سے تعلق ترا گر ٹوٹ نہ جاتا
اس طرح مقدر بھی ترا پھوٹ نہ جاتا

شاعری میں حق نے بخشا تھا تجھے ایسا مقام تھا ہمارے دل میں تیرے فن کا بے حد احترام
اول اول حرزِ جاں بنتا تھا تیرا ہر کلام آخر آخر دور سے کرنا پڑا تجھ کو سلام

تجھ کو لکھنی ہی اگر تھی اپنی روداد حیات
کم سے کم لکھی نہ ہوتی تو نے ''یادوں کی برات''

یوں سمجھ لیں ملت اسلامیہ ہند بھی آپ سے انہیں الفاظ میں شکوہ کناں ہے۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه
وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

***

ہماری مطبوعات

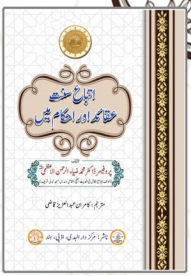

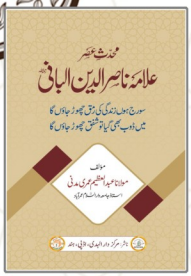

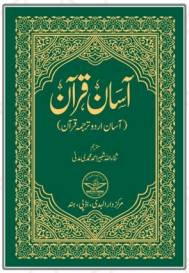

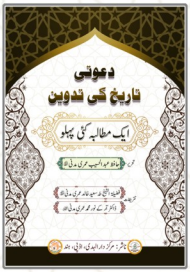

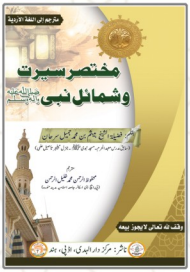

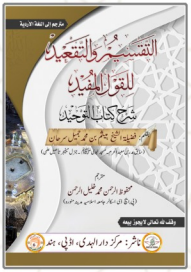

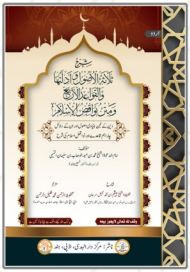

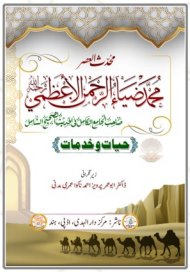

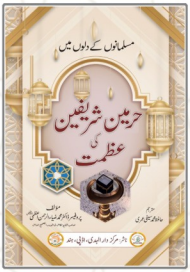

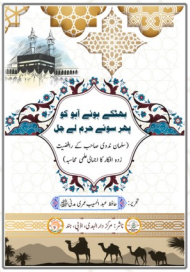

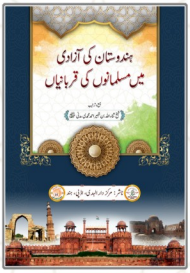

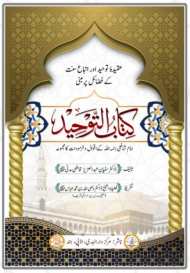

یہ کتاب اللہ کیلئے وقف ہے اسکا بیچنا جائز نہیں ہے

وقف لله تعالى لا يجوز بيعه

مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST®

#1, First Floor, Himalay Pearl,
Udupi - Manipal Road, Kadiyali, Udupi,
Karnataka - India, Pin: 576102

DAR-UL-HUDA UDUPI

Cell: +91 7337814400 - +91 9945565905
WhatsApp: +966 507472706
Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Web: www.darulhudaudupi.org

@ DAR-UL-HUDA, UDUPI